# جاں نثار اختر - حیات، شاعری اور سنیما میں تعاون

(کلیدی الفاظ: جاں نثار اختر# سنیما# شخصیت# شاعری)

پروفیسر زرینہ عبدالسلیم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، یشودہ گرلز آرٹس اینڈ کامرس کالج، ناگپور
ایم اے (اردو، انگلش)، بی - ایڈ، نیٹ (اردو)، سیٹ (اردو)،
پی ایچ ڈی اسکالر، راشٹر سنت ٹکڑو جی مہاراج ناگپور یونیورسٹی، ناگپور، مہاراشٹرا
E-mail Id: zarinasalim007@gmail.com

**Abstract:** Jan Nasar Akhtar was a famous and well-known poet of Urdu and a part of the progressive movement who not only gave the best ghazals and poems to Urdu literature, experimented with different genres, but also gave us the best songs in Indian cinema. He proved and succeeded in making a prominent place in Urdu poetry. Although Jaan Nisar Akhtar inherited poetry because he was the son of a poet like Mutshar Khairabadi and grandson of a personality like Fazal Haq Khairabadi, he saw many ups and downs in his life, suffered from the harsh realities of life, tolerated pain, separated from his beloved. Sometimes he is tired of life and sometimes he tries to win from life. Sometimes he expressed the truth of death and regretted the mortal world. Sometimes he gave a place in his heart to the beautiful scenes of nature. Whatever he felt, he succeeded in conveying his feelings to the readers through his poetry. His skills in his art have high qualities and his songs are evergreen. He had a kind and loving heart and he knew very well how to express the beautiful feelings of love with

suitable words and put them on paper. In Indian cinema also, he showed the essence of his art and earned a good name. Even today, people like to listen to the songs written by him. Great singers of that time like Kishor Kumar, Lata Mangeshkar gave voice to his songs which became the reason of success of the films. He wrote scripts for films and also produced. He was honored with many awards for his work. In this article, Jaan Nisar Akhtar's personality, his poetry and his contribution to cinema is briefly reviewed.

---------

اپنی شخصیت کے امتیازی صفات اور شاعری کی انفرادی خصوصیات سے اپنی ایک علیحدٰہ پہچان بنانے والے "جاں نثار اختر" کا اردو کے ترقی پسند شعراء میں ممتاز درجہ تھا۔انکی شخصیت میں ہندوستان کی قدیم وجدید تہذیبی اقدار کا امتزاج تھا۔انہوں نے اردو شاعری میں ایک خاص مقام حاصل کیا اورنئی نسل پر بھی اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ان کی شاعری گنگا جمنی تہذیب میں رنگی ہوئی ہے جس میں انسانی زندگی کے مختلف روپ رنگ دکھائی دیتے ہیں، جذبات و احساسات وذہنی کیفیات کی ترجمانی ملتی ہے اوران کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا عکس اوران کی ذاتی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔جاں نثار اختر نے اپنے شعری لب ولہجہ کو کلاسکیت سے پرنور کیا۔رومانویت سے چمکایا، حقیقت پسندی سے آشنا کیا۔ امید ویقین دلایا اور ہندستانی روایات کو نمایا کیا۔۔اس طرح جاں نثار اختر کی شاعری اپنی الگ پہچان والگ قدرو قیمت رکھتی ہیں اوران کے لہجہ کی خوبیاں اس کی دلکشی کا سبب اور جداگانہ حیثیت کی ضامن ہیں۔جاں نثار اختر اردو کے مشہورو معروف شاعر اورترقی پسند تحریک کے حصّہ دار تھےجنھوں نے ناصرف اردوادب کو بہترین غزلیں اور نظمیں دیں،مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی بلکہ ہندوستانی

سنیما میں بھی بہترین نغمیں دے کر اپنی قابلیت کا ثبوت دیا اور اردو شاعری میں ایک ممتاز مقام بنانے میں کامیاب ہوئے.

جاں نثار اختر کی پیدائش ۱۸ فروری ۱۹۱۴ء کو گوالیار میں ہوئی۔ ان کا اصل نام "سید جاں نثار حسین رضوی" تھا اور آبائی وطن خیر آباد، یو پی تھا۔ مضطر خیر آبادی جیسے شاعر کے فرزند اور فضل حق خیر آبادی جیسے شاعر کے پوتے ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ان میں شاعری کی خوبیاں اور ادبی فن کاری کی کمی نہیں تھی اور انہوں نے یہ بات ثابت بھی کی۔ بقول ڈاکٹر کشور سلطان، جاں نثار اختر نے وکٹوریہ ہائی اسکول گوالیار سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، علی گڑھ کے انٹرمیڈیٹ کالج سے ایف ایس سی اور پھر علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں بی اے آنرز کی اور ۱۹۳۹ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ بقول ڈاکٹر کشور سلطان

علی گڑھ کا قیام جاں نثار اختر کی ادبی زندگی کی بقاء کے لیے بہت اہم ثابت ہوا۔ مسلم یونیورسٹی کی اس وقت کی عام فضا، وہاں کی روایتیں اور تہذیبی عظمت اور کچھ نئے اشتراکی اور ترقی پسند خیالات کے حامل نوجوانوں کی صحبتوں نے ان کی شاعری اور شخصیت دونوں کو کافی حد تک متاثر کیا۔"

(ڈاکٹر کشور سلطان، جاں نثار اختر حیات وفن، ۲۰۰۸ء، دہلی، ص ٦٦)

انکی شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے آفاق حسین صدیقی فرماتے ہیں۔

"جاں نثار اختر کی ساری کی ساری شخصیت شاعری میں ڈھلی ہوئی اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب میں رنگی ہوئی تھی' اگر ان کے اٹھنے بیٹھنے ' ہنسنے بولنے اور مسکرانے سے ایک قسم کی شعریت کا احساس ہوتا تھا تو ان کے طور طریق ' عادات و اطوار ' رہن سہن اور ملنے جلنے سے ہندوستانی تہذیب و تمدن کی قدروں کی خصوصیات سامنے آتی تھیں۔ جاں نثار اختر کی شخصیت کو تہذیب و تمدن کی

متنوع خصوصیات اور ذہن و مزاج کی گوناگوں خوبیوں کے دلکش امتزاج نے بڑا موثر اور پر کشش بنا دیا تھا"۔

(آفاق حسین صدیقی، جاں نثار اختر شخص اور شاعر، ۱۹۸۷ء، ص ۹-۱۰)

شاعری کا ذوق جاں نثار اختر کو وراثت میں ملا تھا اور ان کی ادبی زندگی کا آغاز اور نشو و نما علی گڑھ میں ہوئی۔ علی گڑھ کے دوران قیام یہ ''انجمن اردوئے معلیٰ'' کے سکریٹری رہے اور ایک عرصے تک ''علی گڑھ میگزین'' کی ادارت کی۔ ان کی تصانیف میں ''سلاسل''، ''تار گریباں''، ''نذر بتاں''، ''جاوداں''، ''گھر آنگن''، ''خاک دل''، ''پچھلے پہر" شامل ہیں۔ جاوداں انکی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک کی نظموں، غزلوں اور رباعیوں کا منتخب مجموعہ ہے۔ انکے لہجہ میں نرمی اور بانکپن تھا انہوں نے زندگی کو ایک الگ زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی۔ ان کی شاعری میں زندگی جینے کا حوصلہ اور صبح فردا کی امید نظر آتی ہے۔ کہیں کہیں زندگی کا درد بھی جھلکتا ہے تو کہیں اس درد کا مرحم بھی محسوس ہوتا ہے اپنے شعری مجموعے "پچھلے پہر" میں فرماتے ہیں۔

اشعار میرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط اُن کو سنانے کے لیے ہیں
اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹادیں
کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لیے ہیں
آنکھوں میں بھرلو گے تو کانٹوں سے چبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لیے ہیں ''

(جان نثار اختر، پچھلے پہر، ۱۹۸۶ء، نئی دہلی، ص ۳۴)

جاں نثار اختر کی تخلیقات میں عشقیہ احساس بھی شامل ہیں، رومانی شعور بھی، جمالیات بھی، سیاسی اور سماجی فکر بھی اشتراکیت بھی اور مارکسی فلسفیات بھی۔ جس وقت ملک میں تحریک آزادی کا دور تھا اور ساتھ ہی ترقی پسند تحریک بھی

حرکت میں تھی جاں نثار اختر نے "خاکِ دل" میں طویل نظموں کے ذریعہ ظاہر کر دیا کہ مارکسی نظریات ان کے ذہن اور تخیل میں موجود تھے۔ان کی نظموں میں سادگی تھی۔ایک صاف گوئی تھی،اور بہترین حسنِ تخیل تھا۔ان طویل نظموں کی فہرست میں نظم "خاموش آواز"، "امن نامہ" اور "آخری لمحہ" بھی شامل ہیں۔نظم "امن نامہ" انہوں نے ۱۹۵۳ء میں لکھی تھی۔جو ان کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ان کی غزلیں نئے انداز کی غزلیں ہیں جو نئے فکری شعور کو ابھارتی ہیں اور جدید غزل کی تمام خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ان میں سماجی معنویت بھی ہے اور سیاسی رمزیت بھی۔حسن وعشق کے احساسات اور جزبات کی چاشنی میں لبریز ہیں۔

"جاں نثار اختر کی شاعری صرف نئے زاویوں سے عبارت ہے نہ محض نئے پیرایہ بیان سے۔اس کے پیچھے ایک نئی فضا جگمگاتی ہے، یہاں دہلیز کی متلاشی لاشیں بھی ہیں، زندگی کی کڑی دھوپ میں تیز قدموں سے چلنے والے راہی بھی، ہاتھوں پر چھالوں کی طرح چمکتے ہوئے سکّے بھی، رات گئے دل کی ابھرتی ہوئی چوٹیں بھی ہیں، اخبار کی خبریں بھی، شانے پر ہاتھ رکھ کر ساڑھیوں کی دکانوں پر روکنے والی محبوبائیں بھی، غرض ایک عجیب وغریب دنیا ہے جس میں آوازیں، چیخیں، سرگوشیاں اور ارمانوں کے نہ جانے کتنے روپ نگر آباد ہیں۔"

(میمونہ علی چوگلے، ہماری قدر کرو اے سخن کے متوالوں!،۲۰۱۱ء، دہلی، صفہ ۲۰۔۲۱۔)

جاں نثار اختر کا پہلا شعری مجموعہ "سلاسل" اکتوبر 1942 میں شایع ہوا تھا۔اس وقت وہ گوالیار میں تھے۔سلاسل کا پیش لفظ جوش ملیح آبادی نے تحریر کیا تھا اور اس کے دیباچہ میں جوش ملیح آبادی نے لکھا تھا۔

"اختر کی شاعری میں ہمیں زندگی کی حقیقتیں، مناظر کی دلفریبیاں۔

نفسیات کی باریکیاں اور رومان کی برنائیاں ملتی ہیں۔ یہ سب
چیزیں ایسی سجوئی ہوئی ہیں جس طرح کوئی بناض موسیقی متعدد
دراگنیوں کو ملا کر ایک نغمہ شیریں پیدہ کرتا ہے کہ بزم پر وجد کی
کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اختر ہماری جدید شاعری کے اختر
تابندہ ہیں ایک ایسے اختر تابندہ جس کے آفتاب چھپا ہوا ہے۔"
(جاں نثار اختر، سلاسل، ۱۹۴۲ء، دہلی، ص-۹)

رومانی نظموں کے علاوہ وہ مناظر فطرت پر بھی اپنا مکمل اظہارِ احساس کرتے ہیں۔ انہوں نے نظم "بنارس کا سفر"، "ایک وادی سے گزرتے ہوئے"، جیسی نظمیں بھی لکھیں ہیں جس میں دلکش مناظر کا ذکر کرتے ہوئے نہایت ہی کوبصورتی کے ساتھ اپنے جزبات کا اظہار کرتے ہیں۔

"وہ چاندکی کرنوں میں بھرتی ہوئی موجیں
ساحل سے وہ ٹکرا کے بکھرتی ہوئی موجیں
اڑتے ہوئے موتی، وہ اچھلتے ہوئے تارے
تگرا کے کنارے

ساحل پہ لہکتے ہوئے سبزے کی بہاریں
مہتاب میں اڑتے ہوئے بگلوں کی قطارین
پھولوں مین چمکتے ہوئے جگنو کے شرارے
تگرا کے کنارے"

(جاں نثار اختر، سلاسل، ۱۹۴۲ء نظم تگرا کے کنارے،، دہلی، ص-۵۷)

جاں نثار اختر کی شاعری میں ایک بات غور کرنے کے قابل نظر آتی ہے وہ یہ کہ عشق و محبت تو بھر پور ہے احساسات اور جزبات کی کمی نہیں ہے اور محبت میں بے قرار دل بھی ہے لیکن جب فرض کی بات آتی ہے تو دل کو سمجھانے اور محبوب سے کنارہ کشی نظر آتی ہے۔۔ ایک انقلاب سا نظر آتا ہے۔ جیسے انکی نظم "زندگی" کا یہ

بند قابلِ غور ہے۔

"مجھ کو ایک لمحہ کبھی چین بھی آیا تجھ بن
عشق ہی ایک حقیقت تو نہیں ہے لیکن
زندگی صرف محبت تو نہیں ہے انجم
پھر زمانے سے نگاہوں کو چرانا کیسا
عشق کی حد میں فرائض کو بھلانا کیسا
زندگی صرف محبت تو نہیں ہے انجم"

(جاں نثار اختر، تارِ گریباں، نظم "زندگی"، ص ۶۹)

اختر اس دور کے بھی شاہد ہیں جب محنت کش عوام پر ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ انکا استحصال کیا جاتا تھا۔ اس ظلم کی داستان اور اس استحصال کے منظر کو بھی اختر نے اپنی نظموں کا حصہ بنایا۔ لکھتے ہیں۔

وہ محنت سے بازو غلاموں کے شل
وہ مٹی کے سینے پہ لوہے کے ھل
مشقت سے ہلکان ہوتے ہوئے
پسینے سے کھیتوں کو بوتے ہوئے

نومبر ۱۹۷۶ء میں انھیں ''خاک دل'' پر نہرو ایوارڈ کا تین ہزار روپے کا انعام ملا اور اردو اکاڈمی آف لیٹرس کی جانب سے اردو میں ساہتیہ اکاڈمی اوارڈ سے بھی نوازہ گیا۔ اتر پردیش حکومت نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں پانچ ہزار روپے کا عطیہ دیا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کا تقرر وکٹوریہ کالج، گوالیار میں اردو لکچرر کی حیثیت سے ہو گیا۔ ۱۹۴۳ء میں انہوں نے صفیہ سراج الحق سے شادی کی تھی جو اسرار الحق مجاز کی حقیقی بہن تھیں۔ اکثر عام زندگی میں شادی کے بعد عشقیہ جزبات اور احساسات میں کمی واقع ہوتی نظر آتی ہے اور انسان زندگی کی کڑوی سچائی کا سامنا کرتا ہے لیکن صفیہ اختر اور جاں نثار اختر ہمیشہ ایک دوسرے سے محبت کا

اظہار نہایت خوبصورت انداز میں کرتے رہے۔صفیہ نے ہر قدم پہ انکا ساتھ دیا اور مشکل وقت میں انکا سہارا بنی۔۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو گوالیار کے حالات ٹھیک نہیں تھے جس کی وجہ سے جاں نثار اختر نے بھوپال میں سکونت حاصل کر لی۔ صفیہ اختر بھی وہاں چلی آئیں۔بھوپال میں اختر کو شاعری کے لحاظ سے اچھے موقع اور سکونت کا ماحول ملا۔وہاں حمیدیہ کالج میں صدر شعبہ اردو و فارسی کی جگہ ملی۔اور جب اختر صاحب ممبئی جو اس وقت بمبئی تھا روانا ہوئے تو انکی اہلیہ بھوپال میں ہی رہ کر اپنے بچوں کی پرورش کرتی رہیں۔لیکن ۱۹۵۳ء میں انکا کینسر کے مرض کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔صفیہ اختر جب بھوپال میں تھیں اور اختر ممبئی میں تب وہ وہاں سے اپنے شوہر جاں نثار اختر کو کئیں خط لکھا کرتی تھیں جن کا مجموعہ "حرفِ آشنہ" اور "زیرِ لب" کے نام سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔وہ کس طرح اپنے شوہر کی حوصلہ افزائی کرتیں اور جاں نثار اختر بھی جن پریشانیوں سے گزر رہے تھے، صفیہ اختر کے ایک خط میں لکھے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

> "میں تم سے علیحدگی کے دن پوری ہمت اور پورے استقلال سے گزار لوں گی کالج کی دنیا اور گھر کی دنیا کبھی کچھ تو میرے لئے اجڑ گیا، مگر اختر بہت سے لوگ تو ہم سے بھی زیادہ پریشانیاں اٹھا رہے ہیں ہمیں تو ان کی طرف دیکھنا ہوگا اپنے غم کو طول نہیں دوں گی۔"

(صفیہ اختر،زیرِ لب،ص ۱۶)

۱۹۵۶ء میں اختر نے خدیجہ طلعت سے دوسرا نکاح کر لیا۔خدیجہ طلعت نے بھی انکا خوب ساتھ نبھایا یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ جاں نثار اختر نے اپنی رباعی کا مجموعہ " گھر آنگن " اپنی اہلیہ خدیجہ طلعت کے نام لکھی اور کہا کی خدیجہ میرے لیے صفیہ کا دوسرا روپ ہے۔انکے اس مجموعہ کی ایک رباعی سے ان کے حالات کا کچھ پتا چلتا ہے۔۔

کب پورے ہو جانے ترے ارماں ترے خواب
کب جانے کٹے یہ تنگ دستی کا عذاب
کب آئے نہ جانے وہ فراغت کی گھڑی
لکھنا نہ پڑے جب تجھے پیسوں کا حساب
(جاں نثار اختر، گھر آنگن،۱۹۷۱ء)

جگن ناتھ ازاد، جاں نثار اختر کی شاعری کے مطالق لکھتے ہیں۔

"اختر کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے انکشاف ذات کے جس عمل کا میں نے ذکر کیا ہے وہ کوئی میکانیکی عمل نہیں بلکہ ایک وجدانی عمل ہے اور" گھر آنگن" کی شاعری اس وجدانی عمل کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو اس کے ستھ وابستہ ہے، اس سے الگ نہیں اور یہ ہمیں اختر کی غزل میں نظر آتا ہے۔،،

ہر ایک روح میں ایک غم چھپا لگا ہے مجھے
یہ زندگی تو کوئی بد دعا لگے ہے مجھے
جو آنسوؤں میں کبھی رات بھیگ جاتی ہے
بہت قریب وہ آواز پا لگے ہے مجھے
نہ جانے وقت کی رفتار کیا دکھاتی ہے،،
کبھی کبھی تو بڑا خوف سا لگے ہے مجھے
(جگن ناتھ ازاد، جاں نثار اختر نمبر ۲۰۱۵ء، ص-۲۸)

شاعر اگر دل کی گہرائیوں سے بات کہنے کا فن جانتا ہو تو اس کا شعر قاری کے دل میں اتر ہی جاتا ہے۔ جاں نثار اختر یہ فن اچھے سے جانتے تھے اسلیے ان کے اشعار میں سچائی اور خوبصورتی نظر آتی ہے جو قاری کو متاثر کرتی ہے چاہے انقلابی نظمیں ہوں یا غزلیں۔ اختر کی شاعری میں رومانیت دل کی گہرائیوں سے ابھر کر آتی تھی اور جس خلوص اور سچائی سے وہ اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے جو سننے والوں

کے دلوں میں اتر جاتی۔نذر بتاں کا یہ شعر دیکھیئے

کتنی معصوم ہیں تری آنکھیں
بیٹھ جا میرے روبرؤ مرے پاس
اک لمحے کو بھول جانے دے
اپنے اِک اِک گناہ کا احساس

(جاں نثار اختر،نذر بتاں)

یہ بات کسی سے چھپی نہیں ہے کہ اردو ادب،شاعری اور ہندوستانی سنیما کا رشتہ بہت پرانا رہا ہے۔پہلی بولتی فلم "عالم آرا" سے لیکر حال تک ہندوستانی سنیما کے موضوعات،مکالموں،اسکرپٹس اور نغموں میں اردو زبان وادب کا استعمال ہوتا رہا ہے اور اردو شعراء کے تعاون نے ہمیشہ ہندوستانی سنیما کے نغموں کو افق پر پہچانے میں مدد کی ہے۔کئیں اردو شعراء ہیں جنہوں نے ہندوستانی سنیما میں غزلیں،نغمیں فراہم کیے اور اس کی کامیابی کا باعث بنے۔جاں نثار اختر بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔جن کا تعاون قابل تعریف ہے۔انہوں نے بحیثیت شاعر اردو غزلوں اور نظموں میں کمال حاصل کیا وہ ترقی یافتہ شاعروں میں شمار کیے جاتے تھے اور بالی ووڈ کے لیےانہوں نے بے مثال نغمیں لکھیں۔۱۹۴۹ء میں جب اختر ممبئی روانہ ہوئے تھے وہاں ان کی ملاقات "ملک راج آنند"، "کشن چندر"، "راجندر سنگھ بندی" اور "عصمت چغتائی" سے ہوئی اور یہاں سے انہوں نے ہندوستانی فلموں کے لیے کام کرنا شروع کیا اور ترقی کرتے گئے۔

"اختر صاحب کے گانے جب مقبول فلمی زبان میں ہٹ ہونے لگےتو ایک میوزک دائرکٹر نے انہیں مستقل طور پر اپنے ہاتھ لگا لیا۔اختر صاحب کی مالی حالت بہتر ہونے لگی۔خلیل صاحب کے کمرے میں دیوار میں لکھی ہوئی قرض کی تمام رقمیں چکا دی۔حالات اور بہتر ہوئے اور اتنے بہتر ہوئے کہ اختر صاحب نے ایک ہزار روپیے

مہینے کا فلیٹ کرائے پر لے لیا۔"

(ڈاکٹر خلیق انجم، جاں نثار اختر نمبر ۲۰۱۵ء، ص ۸۹)

ہندوستانی سینما کے کامیاب اور مشہور شخصیتوں جیسے "سی رام چندر" اور "او پی نایر"، "دتا نائیک" کے ساتھ کام کیا۔ انھوں نے فلموں کے لیے تقریبا ۱۵۱ نغمیں لکھیں ہیں۔ ان میں سے کئیں نغمیں سدا بہار ثابت ہوئے جیسے

آجا رے او میرے دلبر آجا۔۔ دل کی پیاس بجھا جارے۔۔۔۔ (فلم نوری ۱۹۷۹ء)

آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ ہو گیا۔۔ بیٹھے بیٹھے جینے کا سہارا ہو گیا۔۔ (فلم سی آئی ڈی ۱۹۵۳ء)

چوری چوری کوئی آئے۔۔۔۔ (فلم نوری ۱۹۷۹ء)

آجا آجا آ بھی جا۔۔ اے جانے تمنا آ بھی جا۔۔ (داستانے لیلہ مجنوٗ ۱۹۷۴ء)

زندگی ڈوب گئی درد کے طوفانوں میں۔۔۔۔ (ایک سال پہلے۔ ۱۹۶۵ء)

۱۹۵۵ء کی فلم "یاسمین" جس میں رام چندر کی میوزک اور مدن موہن میوزک ڈائرکٹر تھے اس میں انھیں موقع ملا۔ اسکے علاوہ ۱۹۵۶ء میں فلم "نیا انداز" کا گیت ''میری نیندوں میں تم۔۔۔۔'' اور ''غریب جان کر ہم کو نہ دغہ دینا۔۔۔" لکھا جسے محمد رفیع جیسے عظیم گلوکار کی آواز ملی۔ اسی طرح "باپ رے باپ"، "نوری"، "سی آئی ڈی"، "نیا انداز"، "بلیک کیٹ"، "رستم و سہراب"، "پریم پروت"، "یاسمین"، "رضیہ سلطانہ"، فلموں میں لا جواب نغمیں لکھ کر ہندوستانی سنیما کی کامیابی میں تعاون کیا۔۔ اس کے علاوہ انھوں نے فلمیں پروڈیوس بھی کی جیسے فلم "بہو بیگم" جس میں پردیپ کمار کو رمینا کماری نے رہم رول ادا کیئے تھے۔

ان کی نظموں میں زندگی کی تلخیاں، جدو جہد اور محرومیاں بھی نظر آ ئیں۔ نظم تنہائی میں ان کی بے چینی اور ذہنی کشمکش کا اندازہ اس بند سے ہوتا ہے۔

اب طلب نہیں کوئی التجا نہیں کوئی

اب دعا نہیں کوئی مدعا نہیں کوئی
اب صنم نہیں کوئی اب خدا نہیں کوئی
اب نہ صبح کے آنسو اب نہ رات کے نالے
میں بہت اکیلا ہوں کوئی مجھ کو اپنا لے"

(جاں نثار اختر، سلاسل، نظم تنہائی)

موت کے اگوش کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ کر جو کیفیات انہوں نے محسوس کین اس کا بھی اظہار اپنی نظم " آخری لمحہ " میں کیا۔

موت سے کس کو ہجاب کہیں
کس کو معلوم کیا حجاب میں ہے
جسم و جاں کا یہ عارجی رشتہ
کتنا ملتا ہوا حباب میں ہے
آج جو ہے وہ نہیں ہوگا
آدمی کون سے حساب میں ہے
خود زمانے بدلتے رہتے ہیں
زندگی سرف انقلاب میں ہے۔"

(جاں نثار اختر، خاکِ دل، نظم آخری لمحہ)

جاں نثار اختر نے اس دنیا میں ۶۲ سال ۶ ماہ کا سفر طے کیا جس میں انہونے بے حساب نشیب و فراز دیکھے۔ بے شمار معاملات سے دو چار ہوئے۔ وہ زندہ دل انسان تھے زندگی سے محبت کرتے رہے۔" آفاق حسین صدیقی" اپنی کتاب" جاں نثار اختر۔شخص اور شاعر" میں لکھتے ہیں۔

" انھوں نے کئی منزلوں کی جستجو کی کئی منزلوں سے محروم ہو گئے کئی منزلیں سر کیں، وہ بے شمار معاملات سے دو چار ہوئے۔ اس ایک سفر میں کئی سفر کیے۔ ایک عمر میں کتنی عمریں گزاریں، ایک زندگی

میں بہت سی زندگیاں جئے۔ زندگی کی مسافت میں وہ ہمیشہ زندگی سے محبت کرتے رہے اور موت سے نفرت کرتے رہے مگر زندگی ان سے گریزاں رہی اور موت ان کی طرف بڑھتی رہی اور زندگی کو سر کرتے رہنے کی کوشش میں ایک دن موت چپکے سے ان کے بہت قریب آ گئی۔ اتنے قریب کہ وہ خود کو اس کے آغوش سے بچا نہ سکے۔ زندگی کے سفر کے دوران وہ متنوع روپ لیے سامنے آئے، کبھی بیٹے کے روپ میں، کبھی باپ کی شکل میں، کبھی شوہر کی حیثیت اختیار کی کبھی ایک دوست، ہمدرد، رفیق اور ساتھی کی حیثیت سے سامنے آئے کبھی طالب علم نے تو کبھی استاد کے منصب پر جلوہ گر ہوئے، کبھی عام لوگوں کے مجمع میں عام آدمی کی طرح گھل مل گئے تو کبھی فن کار کی حیثیت سے بڑے بڑے مجمعوں میں ممتاز ہوئے۔ انھوں نے محبت بھی کی، محبوب بھی رہے، عاشقی بھی کی، عاشق بھی ہوئے، معشوق بھی بنے انھوں نے ناز کبھی کیے اور ناز اُٹھائے بھی۔ چاہا بھی، چاہے بھی گئے، انھوں نے پیار بانٹا اور حاصل بھی گیا۔ عزت دی بھی، پائی بھی۔ انھیں محبت ورفاقت میسر بھی آئی اور وہ اس سے محروم بھی کیے گئے۔ انہوں نے حفظ وصل بھی اٹھایا، داغ ہجریں بھی کھائے"۔

(آفاق حسین صدیقی، جاں نثار اختر شخص اور شاعر، ۱۹۸۷ء، بھوپال، ص ۲۶)

جاں نثار اختر دل کی گہرائیوں سے نہایت خوبصورت انداز میں اشعار کہتے رہے۔ انکی انقلابی نظمیں اور غزلیں بھی قاری پر ایک اثر چھوڑ گئی۔ انکی رومانی شاعری پیار محبت اور عشق کے احساسات کو حرکت دیتی ہیں۔ جاں نثار اختر کی اولاد میں مشہور شاعر اور نغمہ نگار، سکرپٹ رائٹر "جاوید اختر" اور "سلمان اختر شامل ہیں۔ ۱۸ اگست ۱۹۷۶ء کو ممبئی میں عارضہ قلب لاحق ہونے کی وجہ سے انہیں اس دنیائے فانی

کوالودع کہنا پڑا۔لیکن ان کے مشہور گیت کبھی محمد رفیع ل کی پا کیزہ آواز تو کبھی لتا منگیشکر کی سریلی آواز کے ساتھ آج بھی لوگوں کے دل میں زندہ ہیں۔

مندرجہ بالاتحقیقات اور جائزہ سے یہ نتیجہ اخز کیا جاسکتا ہے کہ جاں نثار اختر نے اپنی ذندگی میں کئیں اتار چڑھاؤ دیکھے ذندگی کی تلخ حقیقتوں سے دو چار ہوئے۔ اپنوں سے جُدا ہوئے، درد سہے، کبھی ذندگی سے بے زار ہوئے تو کبھی ذندگی سے جیت جانے کی کوششیں کیں۔کبھی موت کی سچائی کا اظہار کر کے دنیائے فانی اور انسان پر افسوس جتایا تو کبھی قدرت کے دلکش مناظر کو اپنے دل میں جگہ دی۔الغرض انہوں نے جو بھی محسوس کیا اپنے جزبات کو اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے سے قارئین تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لی اور اپنے فن میں مہارت بھی۔ان کی شاعری اعلیٰ صفات رکھتی ہیں تو ان کے نغمیں صدا بہار کہلاتے ہیں۔سینے میں محبت سے بھرا دل رکھتے تھے اور محبت کے حسین جزبات کو لفظوں سے سجا کے کاغذ پر اتارنا اچھی طرح جانتے تھے۔ہندوستانی سنیما میں بھی انہوں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے اور خوب نام کمایا۔ان کے لکھے گئے نغمیں آج بھی لوگ شوق سے سننا پسند کرتے ہیں۔اور بہترین گلوکاروں نے ان کے نغموں کو آواز دی اور فلم کی کامیابی کا باعث بنے۔صرف نغمیں ہی نہیں بلکہ فلموں کے لیے مکالے بھی لکھے۔اور فلم پروڈیوس بھی کی۔اپنے بے مثال کام کے لیے کئیں انعامات سے نوازے بھی گئے۔

### کتابیات:


۱ آفاق حسین صدیقی، جاں نثار اختر شخص اور شاعر، ۱۹۸۷ء، بھوپال

۲ جاں نثار اختر، جاوداں، بمبئی

۳ جاں نثار اختر، نذرِ بتاں، دہلی

۴ جاں نثار اختر، پچھلے پہر، ۱۹۸۶ء، نئی دہلی

۵ جاں نثار اختر، گھر آنگن، ۱۹۷۶ء، بمبئی

۶ جاں نثار اختر، سلاسل، ۱۹۴۱ء، دہلی

۷ ڈاکٹر کشور سلطان، جاں نثار اختر حیات وفن، ۲۰۰۸ء، دہلی

۸ صفیہ اختر، زیرِ لب، حیدر آباد

۹ لی چو گلے، ہماری قدر کرواے سخن کے متوالو!، ۲۰۱۱ء، دہلی

۱۰ میمونہ علی چو گلے، ہماری قدر کرواے سخن کے متوالوں!، ۲۰۱۱ء، دہلی

۱۱ جاں نثار اختر نمبر، سہ ماہی اردو، امراوتی، ۲۰۱۵ء

☆☆☆